واحد مؤنث غائب ہے جو فاعل [الشَیاطینُ] کے جمع مکسر آنے کی وجہ سے آیا ہے اور بیانِ قصہ کی بناء پر یہاں یہ بمعنی "تَلَتْ" (صیغہ ماضی مؤنث غائب) کے لئے آیا ہے۔ [علٰی مُلکِ سلیمٰن] علٰی حرف الجر یہاں بمعنی "فِی" آیا ہے اور "مُلکِ سُلَیمٰن" مضاف (مُلکُ) اور مضاف الیہ (سُلیمان) مل کر مجرور ہیں اور اس سے پہلے لفظ "زَمَن" محذوف ہے جو "فِی" سے سمجھا جا سکتا ہے۔ "مُلْکُ" تو یہاں مجرور بالجر ہے (علٰی کی وجہ سے) اور آگے مضاف ہونے کے باعث خفیف بھی ہے اور اس میں علامت جر آخری "کُ" کی کسرہ (ـــِـ) رہ گئی ہے "سلیمان" غیر منصرف ہے' اس لئے اس میں جر (جو بالاضافہ ہے) کی علامت "ن" کی فتحہ ہے۔ سلیمان کا غیر منصرف ہونا عجمیت اور علمیت کی بنا پر ہے یعنی وہ ایک غیر عربی نام ہے۔

۲ وَمَا کَفَرَ سُلَیمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِینَ کَفَرُوا یُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ

[وَ] کو مستانفہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اس میں حالیہ (بمعنی حالانکہ) ہونے کی گنجائش بھی ہے۔
[ماکفَر] فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب منفی ہے اور یہ نفی "ما" نافیہ کے ذریعے واقع ہوئی ہے۔ [سلیمان] اس منفی فعل (ماکفر) کا فاعل لہٰذا مرفوع ہے۔ [وَلٰکِنَّ] واو العطف ہے اور "لٰکِنَّ" حرف مشبہ بالفعل ہے جس کا اسم منصوب [الشَّیاطِینَ] ہے جو جمع سالم نہیں بلکہ جمع مکسر ہے اور [کَفَرُوا] فعل ماضی معروف جملہ فعلیہ بن کر "لٰکِنَّ" کی خبر لہٰذا محلاً مرفوع ہے۔ [یُعَلِّمُونَ] فعل مضارع معروف ہے ضمیر الفاعلین "هُمْ" ہے جس کی علامت صیغہ فعل کی واو الجمع (ـــُـ وْ) ہے۔ [النَّاسَ] اس فعل (یُعَلِّمُونَ) کا پہلا مفعول (لہٰذا منصوب) ہے۔ علامت نصب "سَ" کی فتحہ (ـــَـ) ہے۔ [السِحرَ] اس فعل کا دوسرا مفعول منصوب ہے جس کی علامت "رَ" کی فتحہ (ـــَـ) ہے۔ اور یہ پورا جملہ فعلیہ (یُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ) سابقہ فعل "کَفَرُوا" کی ضمیر الفاعلین کا حال بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی "اُنہوں نے کفر کیا اس حالت میں کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے" یا اس جملہ کو "الشَّیاطینَ" (اسمِ لٰکِنَّ) کی خبر ثانی کہہ سکتے ہیں' یعنی "کفر بھی کیا اور تعلیم سحر کا کام بھی کیا۔"

۳ وَمَا اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَینِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ۔

[وَ] برائے عطف ہے اور [مَا] موصولہ ہے جو واو عاطفہ کے ذریعے "السحر" پر معطوف ہے یعنی " "جادو" بھی سکھاتے تھے اور وہ بھی جو...... "گویا یہ "مَا" (اپنے مابعد صلہ سمیت)

فعل "یُعَلِّمُوْنَ" کا ہی ایک اور مفعول ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے سابقہ جملے کے "مَا تَتْلُوْ" پر عطف سمجھا جائے ۔اِس صورت میں یہ فعل "وَاتَّبَعُوْا" (اوپر جملہ نمبر ا والا) کا مفعول ثانی بن سکتا ہے۔ یعنی وہ پیچھے لگ گئے اس کے جو شیاطین پڑھتے تھے اور اس کے بھی جو ..... (بابل میں اُتارا گیا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے)۔ اُردو مترجمین نے دونوں طرح ترجمہ کیا ہے یعنی مندرجہ بالا پہلی ترکیب کے مطابق بھی اور دوسری ترکیب کے مطابق بھی۔ بلکہ زیادہ تر نے دوسری ترکیب کے ساتھ ہی ترجمہ کیا ہے۔ [اُنْزِلَ] فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب ہے جس میں نائب الفاعل ضمیر "ھُوَ" مندرجہ بالا "مَا" موصولہ کے لئے ہے۔ [عَلَی الْمَلَکَیْنِ] میں علامتِ جر آخری نون سے ماقبل والی "یاء" ماقبل مفتوح (ـَـ یْ) ہے جو تثنیہ میں استعمال ہوتی ہے۔ [بِبَابِلَ] حرف الجر (بِ) اور مجرور (بابلَ) کو بھی "اُنْزِلَ" سے متعلق سمجھا جاسکتا ہے اور معناً اسے "الْمَلَکَیْن" کا حال بھی کہہ سکتے ہیں۔ لفظ "بابل" بھی عجمی علم ہونے کے باعث غیر منصرف ہے اس لئے اس میں علامت جر آخری "لَ" کی فتحہ (ـَـ) ہے [ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ] دونوں بذریعہ واو العطف مل کر "الْمَلَکَیْن" کا بدل ہے لہٰذا مجرور ہیں۔ یہ بھی عجمی نام ہیں اس لئے غیر منصرف ہیں اور علامت جر ان میں آخری "ت" کی فتحہ (ـَـ) ہے۔

● بعض نحویوں نے ---- اور ہمارے زمانے کے بعض مفسرین نے بھی اس جملے کے ابتدائی "مَا" کو موصولہ کی بجائے "نافیہ" قرار دیا ہے۔ اس صورت میں "مَا اُنْزِلَ" کا ترجمہ ہوگا "اور وہ نہیں اُتارا گیا تھا" (بابل میں دو فرشتوں پر) گویا یہ ہاروت ماروت کا قصہ ایک یہودی افسانہ ہے جس کی قرآن نے تردید کردی ---- اس جملے کی حد تک تو یہ نحوی توجیہ قابل قبول ہو سکتی ہے مگر اس کے بعد آنے والے جملوں میں یہ عبارت کسی طرح فٹ نہیں آتی۔ اسی لئے اہل علم کی اکثریت نے یہاں "مَا" کو موصولہ ہی قرار دیا ہے۔

④ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَۃٌ فَلَا تَکْفُرْ۔

[وَ] یہاں استیناف کے لئے ہے یعنی ایک الگ بات یا قصے کا دوسرا پہلو یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ [مَا] نافیہ ہے اور اس کی تائید آگے "حتّٰی" کے استعمال سے ہوتی ہے۔ [یُعَلِّمَانِ] (اس کے قرآنی رسم پر آگے بات ہوگی) فعل مضارع معروف صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے جس میں ضمیر الفاعلین "ھُمَا" "الْمَلَکَیْن" کے لئے ہے۔ [مِنْ اَحَدٍ] یہ دراصل تو "اَحَدًا" تھا جو فعل "یُعَلِّمَان" کا ایک مفعول تھا (دوسرا مفعول یہاں محذوف ہے) پھر اس نکرہ

"احدًا" (کسی ایک کو) پر عموم نکرہ کی قطعیت کے لئے "مِنْ" آیا ہے۔ اب یہ جار مجرور مل کر مفعول ہیں اور محلًا نصب میں ہیں اور اسی لئے ترجمہ "کسی ایک کو بھی" ہو گا۔ [حَتّٰی] یہاں "اِلٰی اَنْ" (یہاں تک کہ) کے معنی میں ہے اور اسی لئے بعض نے یہاں "حَتّٰی" بمعنی "اِلَّا اَنْ" ہی لیا ہے (مثلاً العکبری نے) جب کہ بعض نے اسے غلط قرار دیا ہے (مثلاً الدرویش نے) بلکہ اسے حرفِ غایت (یہاں تک کہ 'جب تک کہ' اس وقت تک جب کہ) ہی سمجھا ہے۔ ویسے اس بحث سے عبارت کے اصل مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ [یَقُولَا] فعل مضارع منصوب بوجہ "حتّٰی" ہے۔ علامتِ نصب آخری "ن" (یقولان) کا گرنا ہے اور اس صیغہ تثنیہ کی ضمیر فاعل "ھما" بھی "الملَکَین" ہی کے لئے ہے۔ [اِنَّما] کی "مَا" کافہ اور "اِنَّ" مکفوفہ ہے یعنی "مَا" نے "اِنَّ" کا عمل روک دیا ہے اور اس میں حصر کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ [نَحْنُ] ضمیر مرفوع منفصل مبتدأ ہے اور [فِتنَةٌ] اس کی خبر ہے جو نکرہ بھی ہے اور مرفوع بھی۔ [فَلَاتَکْفُرْ] فاء (فَ) یہاں فصیحہ ہے جو بغیر شرط کے جوابِ شرط کا مفہوم دیتی ہے۔ اُردو ترجمہ اس کا بہرحال "سو" یا "پس" ہی ہو گا۔ "لَاتَکْفُرْ" فعل نہی صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور یہ پورا جملہ (اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَاتَکْفُرْ) اوپر والے فعل "یَقُولَا" کا مقول (مفعول) ہو کر ایک طرح سے محلِ نصب میں ہے اور یہاں "اسے سیکھ کر" کے معنی کا ایک فعل محذوف ہے جو عبارت سے سمجھا جاتا ہے۔

۵ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ

[فاء۔ فَ] کو یہاں مستانفہ سمجھنا زیادہ موزوں ہے۔ [يَتَعَلَّمُوْنَ] فعل مضارع معروف مع ضمیر الفاعلین "ھُمْ" ہے۔ [مِنْهُمَا] جار مجرور مل کر متعلق فعل (یَتَعَلَّمُوْنَ) ہیں۔ [مَا] موصولہ ہے فعل (یَتَعَلَّمُوْنَ) کا مفعول لہٰذا محلًا منصوب ہے بلکہ دراصل تو "مَا" کے بعد آنے والا صلہ بھی ساتھ مل کر مفعول بنے گا۔ [یُفَرِّقُوْنَ] فعل مضارع معروف مع ضمیر الفاعلین "ھُمْ" ہے اور [بِهٖ] جار مجرور مل کر اس فعل (یُفَرِّقُوْنَ) سے متعلق ہیں۔ [بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ] میں "بَیْنَ" تو ظرفِ منصوب ہے (جو ہمیشہ مضاف ہو کر ہی آتا ہے) اس کے بعد "المَرْء" اس ظرف کا مضاف الیہ مجرور ہے' علامتِ جر آخری "ء" کی کسرہ (ـِـ) ہے کیونکہ یہ معرف باللام بھی ہے۔ اس کے بعد "وَ" کے ذریعے بعد والے لفظ (زَوْجِهٖ) کو اس (المَرْء) پر عطف کیا گیا ہے۔ "زَوجِهٖ" جو خود مرکب اضافی ہے' کا پہلا جزء "زَوْج" یہاں مجرور پر عطف کی بناء پر مجرور ہے اور آگے مضاف ہونے کی وجہ سے خفیف بھی ہو گیا ہے۔ دراصل یہاں "زَوْجِهٖ" سے پہلے بھی ایک "بَیْنَ" محذوف ہے یعنی "بَیْنَ الْمَرْءِ وَبَیْنَ

زَوْجِہٖ" ہونا چاہئے تھا مگر جب دو اسم ظاہر "بَیْنَ" کے مضاف الیہ ہوں تو "بَیْنَ" کی تکرار نہیں کی جاتی۔ اور یہ پورا جملہ (یُفَرِّقُوْنَ بِہٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِہٖ) "مَا" موصولہ کا صلہ ہے اور پھر یہ سارا صلہ موصول مل کر فعل "یَتَعَلَّمُوْنَ" کا مفعول بنتا ہے۔

۶ وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

[وَ] کو یہاں حالیہ ہی سمجھا جا سکتا ہے بمعنی "حالانکہ" [مَا] نافیہ حجازیہ ہے (جس کی خبر پر باء الجر آتی ہے)۔ [هُمْ] اس (مَا) کا اسم مرفوع ہے اور [بِضَارِّيْنَ] میں باء الجر زائدہ ہے (ان معنی میں کہ اس کے بغیر بھی "ضَارِّيْنَ" خبر منصوب ہو سکتی تھی مگر اس "بِ" سے معنی میں ایک زور پیدا ہوتا ہے لہٰذا یہ محض بیکار نہیں ہے) اور یہ "بِضَارِّيْنَ" جار مجرور مل کر "مَا" کی خبر ہے جو محلاً نصب میں ہی ہے۔ [بِهٖ] جار مجرور مل کر متعلق خبر (ضَارِّيْنَ) ہیں۔ [مِنْ اَحَدٍ] میں بھی دراصل تو "اَحَدًا" اسم الفاعل "ضَارِّيْنَ" کا مفعول ہو کر نصب میں تھا مگر اس پر "مِنْ" لگا کر اس کے عموم نکرہ میں قطعیت پیدا کی گئی ہے یعنی کسی "ایک ایک کو بھی" یوں یہ "مِنْ اَحَدٍ" مفعول ہو کر (لفظاً مجرور مگر) محلاً منصوب ہے کیونکہ اسم الفاعل (جیسا کہ "ضَارِّيْنَ" ہے) بھی فعل کا سا عمل کرتا ہے۔ [اِلَّا] حرف استثناء ہے جو نفی کے بعد آنے سے "اداۃِ حصر" بن گیا ہے۔ اُردو میں اس کا ترجمہ "مگر صرف" ہوگا۔ [بِاِذْنِ اللّٰهِ] باء الجر کے بعد مضاف "اِذْن" اور مضاف الیہ "اللّٰه" مل کر مرکب اضافی اس (باء) کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور یہ حصۂ عبارت "اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" بلحاظِ معنیٰ "ضَارِّيْنَ" (فاعل) یا "مِنْ اَحَدٍ" (مفعول) دونوں کا حال سمجھا گیا ہے یعنی یہ نقصان اور ضرر پہنچانا" یا "پہنچنا" اسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ کا اذن و حکم ساتھ شامل ہو یعنی مقدر عبارت "اِلَّا مَقْرُوْنًا بِاِذْنِ اللّٰهِ" بنتی ہے۔

۷ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

[وَ] عاطفہ ہے۔ [يَتَعَلَّمُوْنَ] فعل مضارع معروف مع ضمیر الفاعلین "هُمْ" ہے اور یہ سابقہ "يَتَعَلَّمُوْنَ" پر ہی عطف ہے۔ [مَا] موصولہ "يَتَعَلَّمُوْنَ" کا مفعول بہ محلاً منصوب ہے۔ [يَضُرُّهُمْ] میں "يَضُرُّ" فعل مضارع معروف صیغہ واحد غائب مذکر ہے جس کی ضمیر فاعل "هُوَ" مَا موصولہ کے لئے ہے اور "هُمْ" ضمیر منصوب فعل "يَضُرُّ" کا مفعول بہ ہے اور یہ جملہ "يَضُرُّهُمْ" "مَا" کا صلہ ہے۔ اس کے بعد پھر [وَ] عاطفہ ہے اور [لَا يَنْفَعُهُمْ] میں "لَا يَنْفَعُ" تو فعل مضارع معروف منفی بلا مع ضمیر الفاعل "هُوَ" ہے اور اس کے آخر پر بھی "هم" ضمیر منصوب مفعول بہ ہے اور یہ جملہ (لَا يَنْفَعُهُمْ) بھی بذریعہ واو

العطف "مَا" کا صلہ ہی بنتا ہے اور یہ صلہ موصول (مایضرُّھم ولا ینفعُھم) مل کر فعل "یتعلَّمُون" کا مفعول بہ لہٰذا محلاً منصوب ہے۔

⑧ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ط

[وَ] یہاں مستانفہ ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس عبارت کے شروع اور آخر میں وقفِ مطلق کی علامت (ط) ڈالی گئی ہے۔ [لَقَدْ] لامِ تاکید اور حرفِ تحقیق "قَدْ" کا مجموعہ ہے۔ [عَلِمُوا] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعلین "هُمْ" ہے اور [لَمَن] کی ابتدائی لام مفتوحہ لام الابتداء ہے (جو مبتدأ پر آتی ہے اور تاکید کے معنی پیدا کرتی ہے) اور "مَنْ" یہاں اسم الموصول مبتدأ ہے اور یہ شرطیہ بھی ہے۔ [اشتراہ] فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب (اشترٰی) کے ساتھ ضمیر منصوب (ہُ) مفعول بہ ہے۔ [مَا] نافیہ حجازیہ ہے۔ [لَہ] جار (ل) اور مجرور (ہ) مل کر اس "مَا" کی خبر (قائم مقام خبر) کا کام دے رہا ہے جو اس کے اسم سے مقدم آئی ہے۔ [فِی الاخرۃِ] جار (ف) اور مجرور (الاخرہ) مل کر متعلق خبر یا بلحاظ معنی حال کا قائم مقام سمجھا جا سکتا ہے (یعنی اس حالت میں کہ وہ آخرت میں ہو گا کے مفہوم کی صورت میں)۔ [مِنْ خَلَاقٍ] "مِنْ" جارہ زائدہ ہے اور "خَلَاق" نکرہ مجرور "بِمَنْ" ہے جس سے "خَلَاقٍ" (کچھ حصہ) کے عموم نکرہ میں مزید قطعیت آتی ہے۔ یعنی کچھ حصے میں سے بھی نہیں ہو گا۔ یہاں دراصل لفظ "خَلَاقٌ" مرفوع تھا کیونکہ وہ "مَا" کا اسم یا مبتدأ مؤخر تھا (جب خبر جار مجرور یا ظرفِ مضاف کی صورت میں مقدم آئے۔ جیسے یہاں "لَہٗ" ہے تو مبتدأ مؤخر نکرہ ہو کر آتا ہے)۔ یہاں اگر جملہ منفی نہ ہوتا تو بنیادی عبارت ہوتی "لہ خلاقٌ" (اس کے لئے کچھ حصہ ہے) جیسے کہیں "لہ ابنٌ" اس کا ایک بیٹا ہے' پھر شروع میں "ما" لگنے سے جملہ منفی ہوا۔ یعنی "مالہ خلاقٌ" بنا (اس کا کوئی حصہ نہیں ہے) پھر اس میں مبتدأ مؤخر سے پہلے "فی الآخرۃِ" کا اضافہ ہوا۔ یہ بعد میں بھی آ سکتا تھا مگر اس تقدیم سے اس میں زور پیدا ہوا ہے یعنی "آخرت میں ہی" تو اس کا کچھ حصہ نہ ہو گا اور "خَلَاق" کو مزید قطعی نکرہ بنانے کے لئے "مِن" لگا۔ یوں اس (مِن خَلَاقٍ) کا ترجمہ ہوا "کچھ بھی حصہ"۔ اس طرح یہ "مِنْ خَلَاقٍ" "مَا" کا اسم ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور یہ جملہ (لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ) اس لحاظ سے محلاً مرفوع ہے کہ یہ دراصل ابتدائی فعل "عَلِمُوا" کے دونوں مفعولوں کا قائم مقام ہے۔ (فعل "عَلِمَ" کے بعض دفعہ دو مفعول بھی آتے ہیں۔ دیکھئے الممتحنہ: ۱۰ میں ہے "اِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ") یعنی "انہوں نے جان لیا اس کے خریدار کو محرومِ آخرت" کے مفہوم کے ساتھ یہ عبارت فعل "عَلِمُوا" کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

⑨ وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ

[وَ] عاطفہ ہے اور [لَبِئْسَ] کی ابتدائی لام مفتوحہ تاکید کے لئے آتی ہے اور "بِئْسَ" فعلِ ذم ہے جو جامد فعل ہے۔ [مَا] کو موصولہ سمجھیں تو یہ "بِئْسَ" کا فاعل مرفوع ہے یا اسے نکرہ تامہ (بمعنی شَیْئًا) لیں تو اسے فعلِ ذم کی تمیز منصوب بھی سمجھ سکتے ہیں (نحوی افعال مدح وذم کی دونوں طرح ترکیب کرتے ہیں۔ دیکھئے البقرہ :۹[۲ :۵۵ :۲] میں "بِئْسَمَا" کے اعراب کی بحث) اور یہ فعل اور فاعل (لَبِئْسَ مَا) مل کر آگے آنے والے مبتدأ (مخصوص بالذّم) کی خبر مقدم بنتی ہے۔ [شَرَوْا] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعلین "هُمْ" ہے۔ [بِهٖ] جار مجرور متعلق فعل "شَرَوْا" اور [اَنْفُسَهُمْ] مضاف (اَنْفُس) اور مضاف الیہ (هُم) مل کر فعل "شَرَوْا" کا مفعول بہ ہے۔ اسی لئے "اَنْفُسَ" نصب میں ہے جس کی علامت "سَ" کی فتحہ (ـَــ) ہے اس طرح یہ جملہ (شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ) مخصوص بالذم ہو کر مبتدأ ہے جس کی خبر مقدم جملہ فعلیہ "بِئْسَ مَا" ہے۔

⑩ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

[لَوْ] شرطیہ (بمعنی اگر) بھی ہو سکتا ہے اور حرفِ تمنی (بمعنی کاش کہ) بھی۔ دونوں صورتوں میں یہ کوئی عمل نہیں کرتا یعنی شرطیہ ہوتے ہوئے بھی جزم نہیں دیتا۔ [كَانُوْا] فعل ناقص صیغہ جمع مذکر غائب ہے جس میں اسم کَانَ "هُمْ" شامل ہے۔ [يَعْلَمُوْنَ] فعل مضارع معروف مع ضمیر الفاعلین "هُمْ" جملہ فعلیہ بن کر "كَانُوْا" کی خبر ہے۔ گویا "لَو كَانُوْا عَالِمِين" کے مفہوم میں ہے۔ "لَوْ" کو "تمنّی" کے لئے سمجھیں تو یہ جملہ مکمل ہے۔ اگر "لَوْ" کو شرطیہ سمجھا جائے تو جوابِ شرط محذوف ہے مثلاً "لَمَّا فَعَلُوْهُ" (تو وہ ایسا نہ کرتے)

⑪ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ

[وَ] یہاں استیناف کی ہے اور [لَوْ] یہاں شرطیہ ہی ہے جسے بعض نحوی "حرفُ امتناعٍ لِامتناعٍ" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں کسی ایسی شرط کا بیان ہوتا ہے جس کا وجود نہیں (یعنی پائی نہ گئی) اس لئے اس کا جواب بھی ممتنع (ناقابلِ حصول) ہے۔ یعنی چونکہ شرط ممتنع (غیر موجود ہے) تو جوابِ شرط بھی ممتنع (غیر ممکن) ہوتا ہے۔ [اَنَّهُمْ] یہ حرفِ مشبہ بالفعل (اَنَّ) اور اس کا اسم (ضمیر منصوب "هُمْ") ہے مگر چونکہ "لَوْ" شرطیہ جملہ اسمیہ پر داخل نہیں ہوتا اس کے بعد کوئی فعل ہی آنا چاہئے اس لئے نحوی اس "اَنَّهُمْ" کو ایک محذوف فعل (ثَبَتَ = ثابت ہو جاتا) کے ہم معنی سمجھتے ہیں اور پھر اس (اَنَّهُمْ) کے بعد بصورت خبر آنے والے فعل کو مصدر مؤوّل

(بطورِ مصدر) اس محذوف فعل (ثَبَتَ) کا فاعل سمجھتے ہیں مثلاً یہاں اس "اَنَّهُمْ" کی خبر ماضی کے دو صیغہ فعل [آمَنُوا وَاتَّقَوْا] آئے ہیں اب یا تو یہ سیدھا شرطیہ جملہ "لَوْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا" ہوتا تو ٹھیک تھا کہ "لَوْ" کے بعد فعل ہی آتا ہے لیکن اب "لَوْ" کے بعد "اَنَّهُمْ" آنے کی وجہ سے (جو جملہ اسمیہ کی ابتداء ہے) ان دونوں صیغہ ہائے فعل کے مصدر مؤوّل اس محذوف فعل کے فاعل مرفوع سمجھے جائیں گے۔ گویا یہ عبارت اب دراصل "لَوْ ثَبَتَ اِیمَانُهُم وَتَقْوٰهُم" سمجھی جائے گی یعنی اگر ان کا "ایمان اور تقویٰ ثابت ہوتا" یہ الجھن صرف اس لئے پیدا ہوئی کہ "لَوْ" کے بعد جملہ فعلیہ ہی آتا ہے اگر جملہ اسمیہ آجائے تو نحوی حضرات اسے کھینچ تان کر (ایک محذوف فعل کے ذریعے ہی سہی) جملہ فعلیہ بنا لیتے ہیں۔ اُردو میں اس "اَنَّهُمْ" کے "اَنَّ" (کہ بے شک) کا ترجمہ نہ کرنے کی یہی وجہ ہے۔ کیونکہ "لَوْ" (اگر) کے ساتھ (بے شک) لگنے کا کوئی تک نہیں بنتا۔ اسی لئے نحوی اس "اَنَّ" کو فعل "ثَبَتَ" کے معنی میں لیتے ہیں کہ "ثابت" اور "بے شک" ایک طرح سے ہم معنی ہیں۔ [لَمَثُوبَةٌ] کے شروع میں لام الابتداء ہے جو بعض دفعہ بغرض تاکید مبتدأ پر بھی لگتی ہے اور یہ جوابِ شرط (لَوْ) میں آنے والی لامِ مفتوحہ بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے عموماً جواب لَوْ میں آنے والے لام مفتوحہ کے بعد بھی جملہ فعلیہ ہی آتا ہے۔ اس لئے اسے لام الابتداء سمجھنا زیادہ بہتر ہے۔ "مَثُوبَةٌ" یہاں مبتدأ مرفوع ہے اور اس کے نکرہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر صفت موصوف (مرکب توصیفی) نکرہ آئے تو اس میں مبتدأ بننے کی صلاحیت ہوتی ہے (جیسے لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ) (البقرہ :۲۲۱ میں ہے) یہاں بھی [مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ] پورا مرکب جاری (مِن جارہ + عند ظرف مضاف + اللہ مضاف الیہ) مل کر "مَثُوبَةٌ" نکرہ موصوفہ کی صفت کا کام دے رہا ہے، یعنی "وہ ثواب جو اللہ کے ہاں سے ملتا تو وہ" کا مفہوم رکھتا ہے۔ [خَيْرٌ] اس (مَثُوبَةٌ) کی خبر مرفوع ہے۔

⑫ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

یہی جملہ اُوپر نمبر ۱۰ میں گزرا ہے۔

۲ : ۶۲ : ۳ الرسم

زیر مطالعہ آیات میں بلحاظ رسمِ قرآنی کل گیارہ کلمات قابلِ توجہ ہیں۔ ان میں سے چار کلمات کا رسم مختلف فیہ ہے اور سات کا متفق علیہ۔ یہ گیارہ کلمات حسب ذیل ہیں۔ تتلوا' الشیٰطین' سلیمٰن' لٰکن' ھاروت' ماروت' یعلّمٰن' اشترٰیہ' الاخرۃ'

خَلّاق اور لَبِئسَ مَا۔

تفصیل یوں ہے :

① "تَتۡلُوۡا" : اس صیغہ فعل کی عام املاء "تَتۡلُوۡ" (واو کے بعد الف کے بغیر) ہے تاہم مصاحف میں اس کے آخر پر ایک زائد الف لکھا جاتا ہے (تَتۡلُوۡا) اصل مصاحفِ عثمانی کے رسم میں متعدد کلمات میں الف زائدہ لکھا گیا تھا جن کا ذکر کتب الرسم میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اِن میں سے بعض "زیادات" کو کسی قاعدے (عموم) کے تحت بھی بیان کیا گیا ہے۔ {۱} (یا یوں کہئے کہ مصاحفِ عثمانی کے رسم سے یہ قاعدے اخذ کئے گئے) تاہم زیادہ تر "الف" کی یہ زیادتی کسی قاعدہ قانون کے تحت نہیں بلکہ "نقل صحیح" کی بناء پر اس کی پابندی کی جاتی ہے۔ مثلاً رسم عثمانی میں ہر واو متطرفہ (آخر پر آنے والی واو) کے آخر پر عموماً ایک زائد الف لکھا گیا تھا چاہے وہ کوئی اسم مضاف ہو یا صیغہ فعل۔ مثلاً اولوا' بنوا' مرسلوا یا آمنوا' لاتفسدوا' وغیرہ۔ بعد میں جب عربی املاء کو نحویوں نے ترقی دی اور اس کے قواعد بنائے تو اس قسم کا زائد الف صرف واوالجمع والے صیغہ فعل کے لئے ضروری قرار دیا گیا باقی کلمات میں جہاں واو متطرفہ آئے وہاں اس کا لکھنا غلط قرار دیا گیا' تاہم قرآنِ کریم کی املاء نحوی قواعد املاء کے تحت نہیں بلکہ نقل اور روایت کے تحت اختیار کی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم کی املاء میں یہ واوالجمع (فعل) کے بعد الف زائدہ کا قاعدہ چلتا ہے۔ مثلاً اسی قطعہ میں سات افعال (اتبعوا' کفروا' شروا' کانوا' آمنوا' اتقوا اور علموا) کے ساتھ آخر پر واو کے بعد الف زائدہ لکھا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس قاعدہ کے خلاف (یا اس سے مستثنیٰ) چھ صیغہ افعال آئے ہیں۔ ان پر حسب موقع بات ہوگی۔ اب یہ صیغہ فعل "تَتۡلُوۡ" تو واحد کا صیغہ ہے اور اس کی "واو" واوالجمع نہیں بلکہ اصل مادہ کی "و" ہے (تَلَا یتلُو سے)۔ لہٰذا عام رسم املائی میں اس کے بعد زائد الف لکھنا غلط ہے مگر رسم عثمانی کے مطابق یہاں زائد الف لکھنا بالاتفاق ضروری ہے۔ قرآنِ کریم میں صیغہ فعل "یتلوا" (واحد مذکر) سات جگہ' "تَتۡلُوۡا" (صیغہ واحد مؤنث غائب یا مذکر حاضر) ۵ جگہ' "اَتۡلُوۡا" (واحد متکلم) دو جگہ اور "نَتۡلُوۡا" (جمع متکلم) ایک جگہ آیا ہے۔ ان تمام مقامات پر آخر میں الف زائدہ لکھا جاتا ہے۔ البتہ اگر ایسے صیغہ فعل کے ساتھ کوئی ضمیر منصوب (مفعول) آجائے تو پھر یہ الف نہیں لکھا جاتا۔

{۱} مثلاً دیکھئے سمیر الطالبین للضباع' ص ۷۲۔ المقنع للدانی' ص ۴۲۔ العقیلہ' ص ۵۵ ببعدٗ دلیل الحیران للمارغنی' ص ۲۲۴۔ ۲۵۲۔ ونشر المرجان للارکاتی' ۱:۶۱ تا ۶۵۔

(۲) "الشَّیٰطِین": اس کی عام املاء "الشیاطین" (باثبات الف بعد الیاء) ہے مگر قرآنِ کریم میں بالاتفاق اسے یہاں اور ہر جگہ (اور یہ لفظ مفرد مرکب صورتوں میں ۱۸ جگہ آیا ہے) بحذف الالف بعد الیاء (الشّیٰطین) لکھا جاتا ہے تاہم یہ الف پڑھا جاتا ہے اس لئے بذریعہ ضبط ظاہر کیا جاتا ہے اسی آیت میں یہ لفظ دوبار آیا ہے۔

(۳) "سُلَیمٰن": اِس کی عام املاء "سُلَیمان" یعنی باثبات الف بعد المیم ہے مگر قرآن کریم میں اسے یہاں اور ہر جگہ (اور یہ لفظ کل ۱۷ جگہ آیا ہے دو دفعہ تو اسی آیت میں ہے) بالاتفاق بحذف الالف بعد المیم (بصورت "سلیمٰن") ہی لکھا جاتا ہے۔

(۴) "لٰکِن": مخففہ (لٰکِنْ) ہو یا مشددہ (لٰکِنَّ) قرآن کریم میں بلکہ عام عربی املاء میں بھی ہمیشہ "بحذف الالف بعد اللام" لکھا جاتا ہے (قیاس تو "لاکِن" چاہتا تھا) اور اس کا یہ رسم املائی بھی عربی املاء پر رسم قرآنی (عثمانی) کے اثرات کا مظہر ہے۔

(۵) "ھٰرُوت": یہ بھی ایک عجمی (غیر عربی) نام ہے۔ اس کے الف بعد الھاء کے حذف یا اثبات میں اختلاف ہے۔ ابوداؤد کی طرف منسوب قول حذف کے حق میں ہے جبکہ الدانی سے اثبات منقول ہے۔ چنانچہ بیشتر عرب اور افریقی مصاحف میں اسے بحذف الف "ھروت" لکھا جاتا ہے مگر برصغیر، ایران، ترکی وغیرہ کے علاوہ لیبیا کے مصاحف میں اسے باثباتِ الف "ھَارُوت" لکھا جاتا ہے۔

(۶) "مٰرُوت": اس کی املاء میں بھی وہی مندرجہ بالا (ھٰرُوت والا) اختلاف ہے۔ یعنی ابوداؤد کے مطابق یہ "مٰرُوت" ہے۔ مگر الدانی کے مطابق اس کی املاء "مَارُوت" (باثباتِ الف) ہے۔

(۷) "یُعَلِّمٰن": یہ فعل مضارع کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے۔ عام رسم املائی میں اسے "یعلِّمان" (باثبات الف بعد المیم) لکھا جاتا ہے۔ تثنیہ کے صیغے کے بارے میں رسم قرآنی کا قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے {۱} کہ تثنیہ کا الف (فعل میں ہو جیسے یہاں ہے یا کسی اسم مرفوع میں ہو جیسے "رَجُلَانِ" میں ہے) یہ جب لفظ کے اندر واقع ہو یعنی متطرف (آخر پر الگ) نہ ہو (جیسے قالا، کانَتا یا مضاف مرفوع مثلاً "رَسُولَا رَبِّکَ" میں ہے) تو ابوداؤد کے قول کے مطابق یہ الف تثنیہ ہر جگہ لکھا جاتا ہے البتہ بعض مقامات پر محذوف کیا جاتا ہے۔ جب کہ الدانی کے

{۱} دیکھئے، سمیر الطالبین، ص ۳۷ - المقنع ص ۱۷ - شرح العقیلہ، ص ۳۴ - و لطائف البیان لزیتحار ۱: ۳۳ و نثر المرجان ۱: ۳۱۔

مطابق تثنیہ کا یہ الف (اسماء و افعال دونوں میں) لکھنے میں محذوف ہوتا ہے البتہ سورۃ الرحمٰن کے "تُکَذِّبٰنِ" دونوں طرح (بحذف اور باثبات) لکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایشیائی ممالک اور لیبیا کے مصاحف میں یہ لفظ بحذفِ الف "یُعَلِّمٰنِ" لکھا جاتا ہے، جب کہ ابوداؤد کے قول پر عمل کرتے ہوئے بیشتر عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں اسے باثباتِ الف یعنی عام رسم املائی کی طرح "یُعَلِّمَانِ" لکھا جاتا ہے اور وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ اصل مصاحف عثمانی میں یہ (تثنیہ والے الفاظ) کہیں حذف الف اور کہیں اثبات الف کے ساتھ لکھے گئے تھے۔

(۸) "اِشْتَرٰیہُ": اس کا ابتدائی صیغہ فعل "اِشْتَرٰی" رسم املائی میں بھی آخر پر "ی" کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے جو پڑھی بصورت "الف" ہی جاتی ہے۔ جب اس صیغہ کے بعد کوئی ضمیر بطور مفعول آ رہی ہو (جیسے یہاں ہے) تو عام رسم املائی میں اس "ی" کو بصورتِ الف ہی لکھ دیتے ہیں (یعنی یہاں بصورت "اِشْتَرَاہُ") تاہم قرآنِ کریم میں ایسی "ی" جو تعلیلِ صرفی کی بنا پر الف میں بدل کر بولی جاتی ہو عموماً اسے ہر جگہ بصورت "یاء" ہی لکھا جاتا ہے البتہ اس کے بعد مستثنیات ہیں جو حسب موقع بیان ہوں گے۔ تعلیلِ صرفی کے نتیجے میں الف میں بدلنے والی "یاء" کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے الف بصورت "یاء" ہی لکھے جاتے ہیں (مثلاً اِلٰی، علٰی، حتی یا یتامٰی، نحوی وغیرہ) جن میں سے بہت سے کلمات عام عربی میں بھی رسم قرآنی ہی کی طرح لکھے جاتے ہیں یعنی الف کو بصورت "ی" لکھنے کے کچھ مقررہ قواعد مستنبط کئے گئے ہیں اور ہر قاعدہ کے کچھ مستثنیات ہیں {۱} لہٰذا ہم ایسے الفاظ پر حسب موقع فرداً فرداً بات کرتے جائیں گے۔ بہرحال یہ لفظ "اشترٰی" (صیغہ واحد مذکر غائب) ضمیر مفعول برائے واحد مذکر (ہُ) کے ساتھ قرآنِ کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ بالاتفاق الف بصورت یاء کے ساتھ (یعنی "اشترٰیہ") ہی لکھا جاتا ہے۔

○ "الاٰخِرَۃ": اس لفظ کے رسم عثمانی پر جو رسم املائی کے مطابق ہی ہے (یا یوں کہئے کہ رسم املائی دراصل قرآنی پر ہی مبنی ہے) اس سے پہلے البقرہ: ۴ [۲:۳:۳] میں مفصل بات ہوئی تھی۔

○ "خَلَاق": یہی اس کا رسم املائی بھی ہے۔ تاہم اس کے رسم عثمانی میں اختلاف ہے۔ ابوداؤد کے قول کے مطابق یہ "بحذف الالف بعد اللام" یعنی بصورت "خلٰق" لکھا

{۱} دیکھئے، المقنع ص ۶۳ ببعد، سمیر الطالبین، ص ۸۵ ببعد، نثر المرجان ۱: ۶۹ ببعد

② "الشَّيٰطِين": اس کی عام املاء "الشيَاطين" (باثبات الف بعد الیاء) ہے مگر قرآنِ کریم میں بالاتفاق اسے یہاں اور ہر جگہ (اور یہ لفظ مفرد مرکب صورتوں میں ۱۸ جگہ آیا ہے) بحذف الالف بعد الیاء (الشيٰطين) لکھا جاتا ہے تاہم یہ الف پڑھا جاتا ہے اس لئے بذریعہ ضبط ظاہر کیا جاتا ہے اسی آیت میں یہ لفظ دو بار آیا ہے۔

③ "سليمٰن": اِس کی عام املاء "سُلَيمان" یعنی باثبات الف بعد المیم ہے مگر قران کریم میں اسے یہاں اور ہر جگہ (اور یہ لفظ کل ۱۷ جگہ آیا ہے دو دفعہ تو اسی آیت میں ہے) بالاتفاق بحذف الالف بعد المیم (بصورت "سليمٰن") ہی لکھا جاتا ہے۔

④ "لٰكِن": مخففہ (لٰكِنْ) ہو یا مشددہ (لٰكِنَّ) قرآن کریم میں بلکہ عام عربی املاء میں بھی ہمیشہ "بحذف الالف بعد اللام" لکھا جاتا ہے (قیاس تو "لاكِن" چاہتا تھا) اور اس کا یہ رسم املائی بھی عربی املاء پر رسم قرآنی (عثمانی) کے اثرات کا مظہر ہے۔

⑤ "هَارُوت": یہ بھی ایک عجمی (غیر عربی) نام ہے۔ اس کے الف بعد الهاء کے حذف یا اثبات میں اختلاف ہے۔ ابو داؤد کی طرف منسوب قول حذف کے حق میں ہے جبکہ الدانی سے اثبات منقول ہے۔ چنانچہ بیشتر عرب اور افریقی مصاحف میں اسے بحذف الف "هروت" لکھا جاتا ہے مگر برصغیر، ایران، ترکی وغیرہ کے علاوہ لیبیا کے مصاحف میں اسے باثباتِ الف "هَارُوت" لکھا جاتا ہے۔

⑥ "مَارُوت": اس کی املاء میں بھی وہی مندرجہ بالا (هَارُوت والا) اختلاف ہے۔ یعنی ابو داؤد کے مطابق یہ "مٰرُوت" ہے۔ مگر الدانی کے مطابق اس کی املاء "مَارُوت" (باثباتِ الف) ہے۔

⑦ "يُعَلِّمٰنِ": یہ فعل مضارع کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے۔ عام رسم املائی میں اسے "يعلّمان" (باثبات الف بعد المیم) لکھا جاتا ہے۔ تثنیہ کے صیغے کے بارے میں رسم قرآنی کا قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے {۱} کہ تثنیہ کا الف (فعل میں ہو جیسے یہاں ہے یا کسی اسم مرفوع میں ہو جیسے "رَجُلَانِ" میں ہے) یہ جب لفظ کے اندر واقع ہو یعنی متطرف (آخر پر الگ) نہ ہو (جیسے قالا، کانتا یا مضاف مرفوع مثلاً "رَسُولَا رَبِّكَ" میں ہے) تو ابو داؤد کے قول کے مطابق یہ الف تثنیہ ہر جگہ لکھا جاتا ہے البتہ بعض مقامات پر محذوف کیا جاتا ہے۔ جب کہ الدانی کے

{۱} دیکھئے 'سمیر الطالبین' ص ۳۷ - المقنع ص ۱۷ - شرح العقیلہ' ص ۳۷ - و لطائف البیان لزیتحار ۱:۳۳ و نثر المرجان ۱:۳۱۔

مطابق تثنیہ کا یہ الف (اسماء و افعال دونوں میں) لکھنے میں محذوف ہوتا ہے البتہ سورۃ الرحمٰن کے "تُكَذِّبَانِ" دونوں طرح (بحذف اور باثبات) لکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایشیائی ممالک اور لیبیا کے مصاحف میں یہ لفظ بحذفِ الف "يُعَلِّمٰنِ" لکھا جاتا ہے' جب کہ ابوداؤد کے قول پر عمل کرتے ہوئے بیشتر عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں اسے باثباتِ الف یعنی عام رسم املائی کی طرح "يُعَلِّمَانِ" لکھا جاتا ہے اور وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ اصل مصاحف عثمانی میں یہ (تثنیہ والے الفاظ) کہیں حذف الف اور کہیں اثبات الف کے ساتھ لکھے گئے تھے۔

⑧ "اِشْتَرٰىهُ": اس کا ابتدائی صیغہ فعل "اِشْتَرٰى" رسم املائی میں بھی آخر پر "ی" کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے جو پڑھی بصورت "الف" ہی جاتی ہے۔ جب اس صیغہ کے بعد کوئی ضمیر بطور مفعول آ رہی ہو (جیسے یہاں ہے) تو عام رسم املائی میں اس "ی" کو بصورتِ الف ہی لکھ دیتے ہیں (یعنی یہاں بصورت "اِشْتَرَاهُ") تاہم قرآنِ کریم میں ایسی "ی" جو تعلیلِ صرفی کی بنا پر الف میں بدل کر بولی جاتی ہو عموماً اسے ہر جگہ بصورت "یاء" ہی لکھا جاتا ہے البتہ اس کے بعد مستثنیات ہیں جو حسب موقع بیان ہوں گے۔ تعلیلِ صرفی کے نتیجے میں الف میں بدلنے والی "یاء" کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے الف بصورت "یاء" ہی لکھے جاتے ہیں (مثلاً اِلٰی' علٰی' حتی یا یتامٰی' نحوی دغیرہ) جن میں سے بہت سے کلمات عام عربی میں بھی رسم قرآنی ہی کی طرح لکھے جاتے ہیں یعنی الف کو بصورت "ی" لکھنے کے کچھ مقررہ قواعد مستنبط کئے گئے ہیں اور ہر قاعدہ کے کچھ مستثنیات ہیں {۱} لہٰذا ہم ایسے الفاظ پر حسب موقع فرداً فرداً بات کرتے جائیں گے۔ بہرحال یہ لفظ "اشترٰی" (صیغہ واحد مذکر غائب) ضمیر مفعول برائے واحد مذکر (ہٗ) کے ساتھ قرآنِ کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ بالاتفاق الف بصورت یاء کے ساتھ (یعنی "اشترٰىه") ہی لکھا جاتا ہے۔

○ "الاٰخِرَةُ": اس لفظ کے رسم عثمانی پر جو رسم املائی کے مطابق ہی ہے (یا یوں کہئے کہ رسم املائی دراصل قرآنی پر ہی مبنی ہے) اس سے پہلے البقرہ: ۲[۲ : ۳ : ۳] میں مفصل بات ہوئی تھی۔

○ "خَلَاقٍ": یہی اس کا رسم املائی بھی ہے۔ تاہم اس کے رسم عثمانی میں اختلاف ہے۔ ابوداؤد کے قول کے مطابق یہ "بحذف الالف بعد اللام" یعنی بصورت "خلٰق" لکھا

{۱} دیکھئے' المقنع ص ۶۳ ببعد' سمیر الطالبین' ص ۸۵ ببعد' نثر المرجان ۱: ۶۹ ببعد

جاتا ہے۔ الدانی نے اس کے حذفِ الف کا ذکر نہیں کیا جو اثبات کو مستلزم ہے۔ بلکہ الدانی نے "فعّال" کے وزن پر آنے والے کلمات میں الف کے اثبات کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ یہ لفظ بھی بیشتر افریقی و عرب ممالک کے مصاحف میں بحذف الف (خلٰق) لکھا جاتا ہے۔ اور رلیبیا کے علاوہ تمام ایشیائی ممالک میں یہ باثبات الف (خَلاق) لکھا جاتا ہے۔ یہ لفظ قرآنِ کریم میں (مفرد یا مرکب شکل میں) کل چھ جگہ آیا ہے اور ہر جگہ یہی اختلاف ہے۔

○ "لَبِئْسَ مَا" : یہ دو لفظ یہاں بالاتفاق مقطوع لکھے جاتے ہیں یعنی "لبئس" کے "س" کو "ما" کے ساتھ ملا کر نہیں لکھا جاتا ہے (جیسا کہ چند مقررہ مقامات پر "بئس" اور "ما" کو موصول (ملا کر) لکھا جاتا ہے۔ مزید دیکھئے البقرہ :۹ [۲ :۵۵ :۳] میں کلمہ "بِئْسَمَا" کی بحث الرسم۔

۲ : ۶۲ : ۴ الضبط

زیر مطالعہ قطعہ میں ضبط کا کافی تنوع موجود ہے۔ تاہم اب ہم صرف ان کلمات کے ضبط کے نمونے دیں گے جن میں تنوع زیادہ ہے۔ اگر محض حرکات یا ہمزہ کی شکل کا فرق ہے (ـَـ ، ـِـ ، ـُـ یا ـٰـ ، ـٖـ ، ـٗـ ، یا ء ، E' ریا• وغیرہ) تو اسے دوبارہ نہیں لکھا جائے گا : مثلاً

وَاتَّبَعُوا، وَٱتَّبَعُوا، وَاتَّبَعُوْا / مَا / تَتْلُوْا، تَتْلُواْ، تَتْلُواْ / الشَّيٰطِيْنُ، الشَّيٰطِينُ، ٱلشَّيٰطِينُ، الشَّيٰطِيْنُ / عَلٰى، عَلَىٰ / مُلْكِ / سُلَيْمٰنَ، سُلَيْمٰنَ، سُلَيْمٰنَ / وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ / وَلٰكِنَّ، لٰكِنَّ، لَٰكِنَّ / الشَّيٰطِيْنَ / كَفَرُوْا، كَفَرُواْ، كَفَرُوا / يُعَلِّمُوْنَ، يُعَلِّمُوْنَ، يُعَلِّمُونَ / النَّاسَ، ٱلنَّاسَ، ٱلنَّاسَ / السِّحْرَ، ٱلسِّحْرَ، ٱلسِّحْرَ / وَمَا / اُنْزِلَ، أُنْزِلَ / عَلَى الْمَلَكَيْنِ، ٱلْمَلَكَيْنِ / بِبَابِلَ / هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، هٰرُوتَ وَمٰرُوتَ (بحذف الالف) / وَمَا / يُعَلِّمٰنِ، يُعَلِّمٰنِ، يُعَلِّمَانِ / مِنْ، مِنْ / اَحَدٍ، أَحَدٍ / حَتّٰى، حَتّٰى / يَقُوْلَا، يَقُوْلَا، يَقُولَا / اِنَّمَا، إِنَّمَا / نَحْنُ، نَحْنُ / فِتْنَةٌ، فِتْنَةٌ / فَلَا تَكْفُرْ، فَلَا تَكْفُرْ / فَيَتَعَلَّمُوْنَ، فَيَتَعَلَّمُونَ / مَا / يُفَرِّقُوْنَ، يُفَرِّقُوْنَ، يُفَرِّقُونَ / بِهٖ، بِهٖ، بِهِۦ / بَيْنَ، بَيْنَ / الْمَرْءِ، ٱلْمَرْءِ، ٱلْمَرْءِ / وَزَوْجِهٖ، زَوْجِهِۦ / وَمَا هُمْ / بِضَآرِّيْنَ، بِضَآرِّينَ، بِضَآرِّينَ / بِهٖ / مِنْ اَحَدٍ / اِلَّا،

(باقی صفحہ ۱۴۱ پر)